

تیرے لیے میرے جانکے

انتہائی دلا پٹا اور بانس کی طرح لمبا، جگہ جگہ سے پوند لگے کپڑے پہنے وہ بے وجہ بڑے بڑے دانتوں کی نمائش کیے جا رہا تھا۔
”سلام دادی!“

اس نے دادی جان کو ”اے سطلے“ میں منہمک و مستغرق پایا تو بلا آخر سلام ہی عرض کر دیا۔
”دادی!“ دادی جان کو از حد برا لگا۔ ”چل بٹ“ میرا گاہک کس کا۔ بیگم صاحب بول بچھے۔
”ہی ہی ہی۔ سلام بیگم صاحب! ہی ہی ہی۔“
اسے جیسے گد گدی ہوئی تھی۔

”تاج۔۔۔ ارے تاج۔۔۔ یہاں آؤ۔“ دادی جان کو مزید گھبراہٹ ہوئی۔ وہ سو کو آوازیں لگانے لگیں۔
تاج بیگم اپنے کمرے سے بڑی تیزی سے نکل کر آئی تھیں۔

”کیا ہو گیا اہل! خیریت۔“ پھر انہوں نے نووارد کو دیکھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”ارے اسی کے تعارف کو تو پایا ہے تمہیں۔“
میاں سے پوچھو تو یہ کسے پکڑ لایا ہے۔ آئے ہائے، مجھے تو اس کی صورت دیکھ کر غلجھان ہو رہا ہے۔ میں تو کہتی ہوں تاج! اسے فوراً سے پیٹر چٹا کر دو۔ موا ہنستا ہے تو یہ گز گز بھر لے دانت نکلتے ہیں۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آگیا۔“

”ہی ہی ہی۔“ اس نے فوراً ”ہنس کر تاج بیگم کو ثبوت فراہم کیا۔ انہیں ہنسی آگئی۔ دادی نے جھٹ منہ پھیر لیا۔

”اچھا۔۔۔ تو قطب الدین صاحب لائے ہیں اسے۔“

دادی جان نے آنے والی شخصیت کو سر سے پاؤں تک اور پاؤں سے سر تک دیکھا۔

”قطب الدین! یہ کیا اٹھ لائے؟“

”نرکانے اہل! تاج کی سذکے لیے لایا ہوں۔“ وہ قدرے غلٹ میں تھے اسے اہل کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہ ہاتھ روم میں گھس گئے۔
دادی جان حیرانی و پریشانی کے عالم میں گھری اسے دیکھتی رہیں۔

ناولٹ



ہاں کل بٹھتے کہہ تو رہے تھے کہ کوئی بے سارا الزکا
 ہے مگر کام کا جہاں چاہا کرتا ہے۔
 "ہاں تو اب یہ کریں گے ہمارے کام ایسا وقت
 آیا ہے ہم پر۔" داری پیرا پیرا
 "ہم کیا ہے تمہارا؟" "میں بیکہ دھپسی سے اس
 کا جائزہ لیا۔
 "میں ہی۔" "ہاں۔" "دلیلا نہ لانا۔
 "بہت تیرے کی۔" "ہم بھی۔" "وے کا جن کر رکھا ہے
 کی۔" "داری ہاں بہ ستورہ سہری جانب تھا۔
 "میں نے۔" "سب مجھے ہانکے تھے۔" "دانتوں کی
 مزید فراہم کی۔
 "ہم تھے۔" "دانت۔" "میں نے تم بخت۔" "داری میں
 کر رہی تھی۔
 "تو اب۔" "تو جیم سے تفس سے انہیں
 دیکھا۔" "پتہ تو خال کیا کر سکتا۔"
 "مجھے جلا جانا۔" "مجھے ہاں سے مخاطب ہو رہی۔
 "وہ قسمت کا دارا بنا رہے تھے۔" "داری کے قریب
 تخت پر بیٹھ گیا۔
 "ارے اٹھ۔" "میں سے بد ذات۔" "داری نے ڈھٹ
 کر کہا۔
 "وہ اپنے تک کی طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
 "خبردار جو یہاں بیٹھ رہی تھی، "تاہیں توڑوں گی
 تھی۔"
 "تو جیم پریشان ہی ہو گئیں۔" "ہاتھ ملنے کے لیے
 اچھا بھلا لڑکا کا تھا اور ساس نے پتہ دان ہی اس سے
 چھلایا تھا۔
 "اسی اثنا میں قطب الدین صاحب ہاتھ دوم سے
 برآمد ہوئے۔
 "میرے کہنے تیار ہیں جہ کے لیے؟" "وہ بیکہ
 سے پوچھنے لگے۔
 "جی ہاں۔" "اسٹری کیے رکھے ہیں بدل میں۔" "ان
 کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے کرت کی جانب
 بڑھے قطب الدین صاحب ہیں رک گئے۔
 "کیا بات ہے؟" "انہوں نے بیکہ سے پوچھا۔" "کوئی

مسئلہ ہے۔"
 "میرا تو وہی مسئلہ نہیں ہے۔" "دینا زاری سے گویا
 "نہیں۔" "میں سے پوچھ لیتے، انہیں ہی ہر بات میں
 میں نے نکلنے کی نالوث ہے۔"
 "کیوں اہل؟" "قطب الدین صاحب ہنسنے لگے۔
 "بہت نہیں تو آپ کو ہانکا؟"
 "نہ۔" "یہاں مجھے تو بہت پسند آیا۔" "وہ جلی بھٹی بیٹھی
 تھیں۔" "ایک ٹوٹو بھی اتروا کے مجھے دے دو" میں
 سرانے رنگ تھی۔
 "جی ہاں۔" "یہاں داری جان کی حس مزاح سے
 لطف اندوز ہوا۔
 "ارے اہل جان! یہ بہت کام کا لڑکا ہے۔ آپ کے
 پوتوں سے زیادہ کام آئے گا آپ کے۔" "یہ تاج ذرا ذرا
 کی چیز کو بھیج رہی ہے۔" "منوں میں دو ذکر ہوا صاف
 لاوارک۔" "نہ۔" "یہاں خالے کے کاموں میں بھی اس کا
 ہاتھ ملائے گا اور تو اور آپ کے پیر بھی دبا دیا کرے
 گا۔"
 "ارے ہاتھ تو لگائے میرے پیروں کو،" "موئے کے
 ہاتھ توڑوں گی۔"
 "قطب الدین صاحب مسکراتے ہوئے اپنے کمرے
 کی جانب بڑھ گئے۔
 "برتن دھو لیتے ہو؟" "تاج بیکہ نے ہاں سے پوچھا۔
 "جی ہاں۔" "اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
 "جی ہاں۔" "تک میں جو برتن رکھے ہیں وہ دھو کر نوکری
 میں رکھو۔" "تک ہو جائیں تو میں تمہیں ان کے رکھنے
 کی جگہ میں بتاؤں گی۔"
 "جی ہاں۔"
 "ارے چھوٹی بیکہ بول باہی کا سگا۔" "داری قطع
 کلائی کے بنانہ رہا تھا۔
 "کیا ہے اہل! غریب آدمی ہے۔ کیوں بار بار
 جھڑک رہی ہیں اسے۔" "تاج بیکہ اس کے کچن میں
 چلے جانے کے بعد ساس سے مخاطب ہوئیں۔" "اور
 پھر جہشہ جہشہ کی ہی عمر کا ہے بچا۔ کیا ہے جو آپ کو
 داری یا مجھے باہی کہہ لے تو۔"

"ارے ہوا دیکھتے اس" "دنت" کی صورت دیکھ دیکھ
 نہیں ہو رہا ہے۔"
 "خباں تو آپ کو میری صورت دیکھ کر بھی ہوتا
 ہے۔ ہمارے بنائے وقت۔" "تاج بیکہ کو پرانی بات کی یاد
 آ رہی تھی۔
 "ہاں۔" "تمہارا نقشہ بھی کچھ کچھ ایسا تھا۔"
 "تاج بیکہ مسک کر رہ گئیں۔
 "ارے جہشہ۔" "داری جان نے ہو کے اثرات کا
 دہان کرتے ہی بات چلی۔" "میرا وضو کالونا پھر رکھو چوکی
 آتے ہیں۔ اس کم بخت نے تو میرا وضو غارت کر دیا۔
 "ارے جہشہ کی نماز پڑھنی تھی خوشی و خشنوع سے،
 آپ اس مردار کا چہرہ ہی کھوئے گا نظروں میں۔ یا
 ہفت حلاف۔" "جہشہ۔" "میرے گناہ بخش دیجیو۔"
 "ہاں نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔
 "جی ہاں،" "ایسے ہی تو بخش جاتے ہیں گناہ۔" "تاج
 ہم بڑھاتے ہوئے ساس کے وضو کالونا بھرنے چل
 گئے۔
 "ارے بہت مطلبی، خود غرض، دغا باز ہو چکی ہے۔"
 "بڑھنے اچانک ہی بھڑک اٹھا۔
 "جہشہ نے چلنے چلتے چند لمحے کے لیے رک کر اس کا
 ہاتھ پکڑ لیا۔
 "جہشہ جان! ابھی آپ مولانا صاحب کی پراٹھ
 بات چکیوں سے دور رہتے تھے مسجد میں۔" "یہاں تک
 آپ نے دنیا کے گناہ بھٹوانے کیوں شروع
 کر لیے۔ کم از کم گھر پہنچنے تک تو دعا کے زیر اثر
 رہتے۔"
 "مسجد سے باہر نکلنے سے قبل ہی مجھ پر اس حقیقت
 آشکار ہو چکا تھا۔" "اس نے مددراہ انداز میں سر
 ہلاتے ہوئے کہا۔
 "کیسے؟"
 "جب میں نے اپنی چھیل غائب دیکھی۔"
 "تک۔" "جہشہ نے تفس کا انکار

"کیا۔" "میں نے چھیل تو آپ۔" "جہشہ نے ہاں میں ہاں
 کیا خطا کرتے۔" "اسے طرح پر دندہ لڑی چھیل۔" "رنگ
 تھے۔"
 "ارے بے وقوف۔" "میری چھیل تھوڑا سی
 ہیں۔ میں نے جب اپنی چھیل غائب نہیں تو باقی سب
 چھیل کھین کر دیکھیں۔" "جی میرے تاج کی نکلیں۔"
 "اور آپ کسی اور کی چھیل کھین آئے۔" "وہاں
 "دنا" کے متعلق اب اس شخص کی بھی یہی رائے
 ہوگی جو چند لمحوں قبل آپ کی تھی۔"
 "تو بدھ۔" "میں کیا کچھ پاؤں گھر جاتا۔ وہ بھی اتنی
 تیز دھوپ میں۔"
 "جی ہاں، جی ہاں۔" "مجھے آپ کی بات سے پورا اتفاق
 ہے جس کی یہ چھیل ہیں وہ بے شک آپ کا گھر پہنچے
 ہمیں کیا۔" "دیئے دعا کے وقت جس طرح آپ سک
 سک کر رہے تھے، مجھے پونہی شک سا لڑا تھا کہ
 شاید آپ کی ہاں سے قلب کچھ تبدیلی کے عمل میں ہے
 لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ آسویقینا چھیل کے
 بڑے بھائی کے تھے۔"
 "تم غزل کو چھیل کیوں کہہ رہے ہو؟" "جہشہ
 نے برا سامنے بنا کر اسے دیکھا۔
 "میں اتنا بھی بے وقوف نہیں کہ اسے چھیل کہوں
 مگر مجھے کی چھیل، بہن ضرور کہہ سکتا ہوں۔" "دیئے آپ
 نے دعا میں کیا مانگا۔"
 "تمہیں کیوں بتاؤں۔" "بہشہ کچھ شرما گیا۔
 "مجھے ہے آپ کی کیا بات چھپی ہے۔" "جورنی"
 جہشہ بھیانک جرم کا تو رازدار ہوں میں۔" "دیئے جہشہ میں
 جانت ہوں۔" "تاج کل آپ اتنی بات قدر کی سے جہشہ کی نماز
 کیلئے جہشہ رہے ہیں۔"
 "جہشہ۔" "جہشہ نے ٹھنڈی آؤ بھری۔" "مگر میاں
 تو آگئی ہیں۔" "چھیاں کیوں نہیں ہوتیں۔"
 "شاید اللہ میاں کو آپ کی بعد تو جہشہ حاضری پسند
 آ رہی ہے اسی لیے۔" "جہشہ نے سر ہلایا۔
 "جی ہاں، اب تو اللہ میاں ایک ساتھی دے دی
 دے۔" "وہ دور کا ساتھی، خوشیوں کا شریک، جسے دیکھ

کردل کی مسند کلی مکمل جائے۔
 ”آپ کی عمر مزے کے حساب سے اب اس کلی کی
 چٹیاں تک مرھا کر گر جانی چاہئیں۔ ذرا نور سے دل
 میں جھانکیے۔ وہیں محض ایک سہمی غشی و نسیم ہے۔
 کوئی بات نہیں بھئی جائے۔ آج کل ذرا لی لگاؤ رز کی
 اربنٹ کاٹیں جب اپنے ہی میں ہو۔ آپ کی
 اربنٹ کر لیجئے اب بن گئے مرھا جائے۔ اگلے
 فنون کی قدر کا زمانہ ہے۔ کسی قسم کی سرت کی
 ضرورت نہیں۔“
 ”کوئی تو جو میری وحشوں کا ساتھی ہو۔“

جشید نے درد سے مصرع پڑھا۔
 ”آمین۔“ جینہ نے جذب کے ساتھ کہا۔



”السلام علیکم۔“ دونوں نے زوردار قسم کا سلام
 عرض کیا تھا۔

”وعلیکم السلام“ جیتے رہو۔“ وادی نے دونوں کو
 قریب بلا کر پیشانی پر دم کیا۔

”آپ جاننا بڑی سخت قسم کی بھوک لگی ہے۔“
 جینہ نے آواز لگائی۔

”نیل پر بنھو میں کھانا لگواتی ہوں۔“ انہوں نے
 کچن سے دو اب دیا۔

”فرمل آئی کنول اپنا کے ہاں سے؟۔“ جینہ نے
 وادی سے پوچھا۔

”نہیں کہل تفریحات سے فرصت ہے۔ ہاں
 بچوں کے ساتھ بچہ بنی بچہ بنی ہوں گی۔“ وادی جان سے

نماز کے بعد ٹانگیں سیدھی تھیں۔
 ”پھر یہ ای جان کھانا کس سے لگاؤ رہی ہیں؟۔“

وادی جان کے چہرے پر بد مزگی کے آثار پیدا
 ہوئے۔ اسی لمحے بالم کچن سے ٹرے اٹھاے برآمد ہوا۔

”ہی ہی ہی۔“ سام بھائی جان!“
 وہ سام کر کے ٹرے سنبھالے نیل کی طرف چلا

گیا۔ جشید اور جینہ کی حیران نظروں نے اس کا تعاقب
 کیا تھا۔

”حضرت کون؟“ جشید نے وادی سے پوچھا۔
 ”تمہارے اہل بلاؤ کا تے پاک ہے۔“ وہ جل کر
 پادشاہ کھولنے لگیں۔ ”ان ہی سے پوچھو۔“
 ”تاج بیگم کچن سے خوش خوش برآمد ہوئیں۔
 ”برا اچھا لڑکا ہے قطب الدین صاحب کو لاندہ خوش
 رکھے۔“

”ابو جی! لڑکا۔“ کیا کہہ رہی ہیں امی؟“ جشید
 الجھا۔ ”آپ اس عمر میں ابو جی کو لڑکا کہنا مناسب تو
 نہیں۔“

”ارے ہو۔ میں تو بالم کی بات کر رہی ہوں۔“ وہ
 جھنجھائی۔

”بب۔ باب۔“ جینہ نے ہنسی کا آدھا گلا بمشکل
 گھونٹا۔ ”اب آپ انہیں بالم۔“ کھی کھی کھی۔

وہ نون وادی کے پیچھے منہ پھیر کر بننے لگے۔
 ”وادی! امی! ابو جی کو“ بالم“ کہہ کر پکاریں گی

اب۔“
 جینہ کی پشت پر ایک ہاتھ پڑا۔

”سوچ سمجھ کر بولا کر۔“ یہ جو سات فٹ کا کھڑا ہے
 سامنے اس کا نام بالم ہے۔“ وادی نے وضاحت کی

ورنہ تاج بیگم تو جل کر دوبارہ کچن میں جا کھسی تھیں۔
 ”اوہو! اچھا اچھا۔“ سر پر ہانے والے ہاتھ سے

جینہ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔
 بڑے نور اور مستعدی سے اس نے میز پر کھانا

بجائے بالم کا جائزہ لیا۔
 ”اب یہ یہیں رہیں گے؟“ اس نے سرگوشی میں

وادی سے پوچھا۔
 ”را کر۔“ انہوں نے غصے سے سر ہٹا کر۔

”ہیں کیا۔“
 ”ہوں۔“ اس نے وادی کا موڑ بھانپ کر سمجھ داری

سے سراہا۔
 ”چلو لڑکوں کھانے کی میز پر آ جاؤ۔“ تاج بیگم سلام

کی پلیٹ لیے برآمد ہوئیں۔ ”اہل! آپ کو بیس
 لادوں!“

”اہل ہوا! مجھے تو بیس لاد کھانا۔ تمہارے“ یہ

بزبونی لکھنا کم کھاتے ہیں۔“ مٹو نان زیادہ چاتے ہیں۔
 اب تو یہ تیسرا بھی آتا ملا ہے۔“
 ”بھائی جان!۔“ جینہ نے پلیٹ میں چاول ڈالتے
 ہوئے بھائی کو مخاطب کیا۔ ”آپ کی دعا تو منٹوں میں
 منہول ہوئی۔“

”کیا مطلب؟“ اس کا منہ کو جانا چھ رستے ہی میں
 رک گیا۔

”اللہ نے آپ کے دکھ درد کا سا بھی، آپ کی
 خذیوں کا شریک بنج دیا۔ وحشتوں کا سا بھی نہ ہوا تو

کیا وجہ؟ وحشت تو ہے لٹ ابھی سلجھا جا رہے۔
 اہل ہاں۔“

اسی لمحے سرخ انگارہ چہرے قطب الدین صاحب
 گھر میں داخل ہوئے تھے۔

”توگوں میں ایمان نام کی کوئی شے نہیں رہی۔
 فنب خدا کا۔ میں کہتا ہوں، کچڑ کر سوڑے لگائے

جائیں اے لوگوں کو۔ ارے تاج۔ بیانی پلاؤ مجھے۔“
 تاج بیگم گھبرا کر بیانی کا گلاس بھرا لیں۔ وہ ایک ہی

سانس میں بیانی پڑھا گئے۔
 ”ہوا کیا؟ کچھ تو بتائیں۔“

”ارے پیرہ کھو میرے۔“ سجدے بغیر چیلوں کے
 آ رہا ہوں۔ کوئی مردود میری چیل اٹھا کر لے گیا۔“

میز کے نیچے جینہ نے اپنے پیروں پر کوئی چیز
 خرخرائی ہوئی محسوس کی۔ اس نے نظر اٹھا کر بھائی کا

دھنس پلاؤ تاج پڑھ دیکھا۔
 ”مل جاتا تھے تو ٹانگیں توڑ دیتا سالے کی۔“ قطب

الدین صاحب برہنہ رہے تھے۔
 ”ابو جی کی چیل کھیں آپ تو نہیں پین آئے۔“

جینہ نے جھک کر سرگوشی میں پوچھا۔
 ”مجھے کیا پتا تھا یہ ابو جی کی ہیں۔“ اس نے جواباً

کرکشی کی۔
 ”ارے قطب الدین۔“ تیری چیل تو جشید کے

ہاں میں ہیں۔ میں نے خود کھی ہیں۔“ وادی جان
 اٹھل کھاتے کھاتے اچانک یاد آیا۔

”اُمیں جشید کے پیروں میں؟“

”جی۔ جی ہاں ابو جی! جیشہ بھائی تو گھر سے ہی یہ
چھوٹا پن کر گئے تھے۔ آپ دو سرے چھوٹے پن کر
گئے ہوں گے۔ آ۔ آپ کو غلط نہیں ہوئی ہوگی۔“
”تقریباً“ بے ہوش ہوتے جیشہ کو دیکھ کر جینہ نے
جلدی جلدی کہا۔

قطب الدین صاحب حیرت سے کچھ سوچنے لگے
تھے۔



”وضع باری نور خست ہوئی دنیا سے۔ نت نئے
دھنک سیکھے زمانے وادیاں۔ نے ہلکے دھنک کیا سیکھا“
سب کچھ بڑھکا ہو گیا۔

ابن جل جل کر کہہ رہی تھیں۔ بسائی شکور کچھ
نہ سمجھتے ہوئے بھی سر ہلائے جارہی تھیں۔

”تب دیکھو ذرا“ گھر میں جوان لڑکی بے پردہ
چوکر پائی بھری پچنی ہے اور باوا پکڑ لائے بارہ گز کبا
دیو۔ نظر بڑے نوکیلہ نہ کو آئے۔“

”کس کی بات کر رہی ہیں خالہ!“ انہوں نے
استغاب سے پوچھا۔ ”وہ جو سینک سلائی سالز کا کل
ہمارے میل چاول دیئے آیا تھا؟“

”اے ہاں اسی کا ذکر خیر ہے۔ بھئی اٹھ کر نہائے نہ
دھوئے نہ کچرا آنکھوں میں بھر کر برتن ملے کھڑا
ہو جاتا ہے مردود۔ تاج کی تو عقل مٹی کا مے۔“

”اچھا۔“ بسائی شکورہ استغاب سے بولیں۔
”جب ہی میں کموں غزل کی جگہ یہ کون لبو ترے منہ
والا آیا ہے چاول دینے۔“

”نہ تو برتن کے ہاں مٹی ہوئی ہے ہفتہ بھر سے تب
ہی کچھ سکون کا نام سے گھر میں۔ اے لوٹے وہ پھر دیکھنا
اس چہو کرے کو بھی لگائے گی گیند، ملے اور تاش کے
چول سے۔ میں کتنی ہوں۔ اماں! بلو ادونوں کی عقل کیا
گھاس چرنے نکل کھڑی ہوئی۔“

”اچھا اچھا۔ غزل کھل کے گھر مٹی ہوئی ہے۔ حنا
اور نمہ یاد کر رہی تھیں اسے۔ ویسے خالہ! کیا کیا کام
جانا ہے یہ لڑکا؟۔“

وہ جھک کر سر کو شکی کے انداز میں پوچھنے لگیں۔
”اے بی۔ دو برتن کھل دیتا ہے۔ شام کو صحن
اور برآمدہ دھو ڈالتا ہے۔ بس اور کیا مل جوتا ہے
میں۔“

”چائے وغیرہ پانا سکھائیں نا اسے۔“ وہ بڑے
اشتقاق سے بولیں۔

”ارے بتا لیتا ہے۔ جب سے آیا ہے اسی کے
باتھ کی پیتے ہیں۔ مانو گھوڑے کا موت ہو۔“ اماں
بھنا میں۔

”چلیں خود ہی سیکھ جائے گا۔“
”خاک سیکھے گا۔ جیسا سیکھنے والا ویسے سکھانے
والے۔“ انہوں نے سر جھٹکا۔

”بازار وغیرہ بھی ہو آتا ہو گا۔“
”ارے بازار میں تو بڑا دل لگتا ہے ٹاس بیٹے کا۔
ادھر شے منگنے کا نام لو! ادھر کم بخت کے دل کی کلیاں
کھل اٹھتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں اس کان سے اس
کان تک۔ وہاں جاکر مو اپتا ہو گا سکرے شیں۔ صورت
سے ہی لگتا ہے بچھے تو۔“

”ارے نہیں خالہ! بی! اسید حاسا داسا بچہ ہے بیچارہ۔
گھر کے چھوٹے موٹے ہزار دھندے ہوتے ہیں۔
ہاتھ بٹانے کو برا نہیں۔“

اسی لمحے دادی جان کی نگاہ اوپر کی جانب اٹھ گئی۔
”چلو بخشوا لو گناہ اپنے“ وہ کھڑے ہیں سادھو سنت
مہاراج۔ ”ان کی جان چل کر رہ گئی تھی۔ بسائی شکورہ
کی نظروں نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ اوپری صحن
کی رنگ کے پاس نور شید صاحب کے بڑے بھائی
حسب معمول تہ بند باندھے کھڑے تھے۔

”اچھا پرناوا ہے“ میں کہتی ہوں۔ ارے تاج۔ او
تاج۔ سستی ہو۔“

تاج بیگم اندر سے نکل کر آئی تھیں۔
”کیا ہوا اماں! کیا بات ہے شکورہ؟“ وہ کچھ نہ سمجھتے
ہوئے پوچھنے لگیں۔

”ارے تاج! میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے تم سے
ان کو بی مہاراج سے کہو۔ یوں تنگ دھڑنگ بے

”میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں بھائی جان! آپ خاطر جمع رکھیے۔“

”یار بانی! خالی چائے اٹھالائے ہو یا را!“ جشید نے ٹرے پر نگاہ ڈالی۔ ”کوئی بسکٹ، کوئی نمکو، کوئی سینڈویچ۔“

”باجی منع کرتی ہیں۔ ہی ہی ہی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ ان لمبوں کی خاطر داری کی ضرورت نہیں۔ ہی ہی۔“ وہ بڑے مطمئن انداز میں کہہ کر کمرے سے چلا گیا تھا۔

وہ دونوں حیرت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔

”بھائی جان!“

”یار جنید!“

”آپ نے سنا اس نے کیا کہا؟“

”میں نے سنا۔ پتا نہیں ٹھیک سنایا غلط۔“

”آپ نے بالکل ٹھیک سنایا بھائی جان! امی جان نے

آپ کے لیے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔“

”درست کہتے ہو بر خور دار! تمہارے لیے انہوں

نے لوازمات کی جو ٹرے بھر کر بھجوائی ہے، وہ محض تم

جیسے صاحبِ نظری دیکھ سکتے ہیں۔“ جشید نے سر

ہلایا۔

”بھائی جان! کیا آپ نے نوٹ کیا۔ باز کا ہمارے

لیے کیا ثابت ہو رہا ہے۔“

”ہاں پیارے! یہ آخری تاجدارِ بادشاہ اور انگریز

ہمدرد کی کمائی معذوم ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے تاریخ

اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔“

”کل امی جنین نے فلسفے کا شہرت بنایا تھا۔“ جنید

گہری سوچ میں تھا۔ ”دو گلاس سب سے پہلے واوی

جان نے پی لیے۔ ان کا بلڈ پریشر ٹھیک شہرت بننے کے

عمل کے دوران لو ہو گیا تھا پھر ایک گلاس ابوجی نے اور

ایک امی جی نے پیا۔ اصولاً ”میری اور آپ کی باری آتی

تھی لیکن کیا آپ جانتے ہیں بھائی جان! امی حضور نے

کیا کیا؟ انہوں نے مسٹر بانی کو شیشے کے گلاس میں

لبالب بھر کر شہرت نوشِ جہل کرنے کو عطا کیا اور

لف میل نہ کھڑے ہوا کریں۔ ارے ہمارا پردہ نوشا

نہیں آہستہ بولیں امیں۔“

”وہ فپٹ کر گویا

ان کے باب کا کھاتے ہیں۔ بس تم جا کر ابھی

کر آؤ۔ میں تو میں جاتی ہوں۔ سادھو بنے کھڑے

نہیں کھڑے ہیں۔“

”میں ان کے معنی میں کھڑے ہیں ہمارا کیا لیتے

ہیں اور وہ بچے تو بڑے نظر بھی نہیں ڈالتے۔ یونہی

بچہ سانچا کر چلے جاتے ہیں۔ اصل میں ان

بچے کا کمروی یہ کہنے والا ہے۔ وہاں سے نکلتے ہیں

انڈس کے پاس سے ہوتے چلے جاتے ہیں۔“

”انہوں نے شکوہ بھی کو بھی وضاحت دی۔“

”ہرے تمہارے ابابھی باندھتے تھے تہہ بند عمر بچیں

جو کسی نامحرم کی نظر پر جائے۔“

”میرے باب۔؟“ ہنسائی شکوہ پریشان ہو گئیں۔

”ہمارے سر تہہ!“ انہوں نے معمول کی وضاحت

”اللہ ان کی بخشش فرمائے جنت مکانی صدر

بن صاحب۔“

”بھائی صاحب! چائے ہی ہی۔“

وہ ٹرے اٹھا کر کسی جن کی مانند اچانک ہی برآمد

ہوا۔

”مجھے کیا ہے بانی۔“ جنید کو غصہ آیا۔ ”یہ تم ذرا

بادروانہ نہیں بجا سکتے۔ کسی دن بھائی جان کا ہارٹ

اٹل نہ ہو جائے اچانک کیسے کوئی دیکھے نہیں۔“

”ہی ہی ہی۔“ وہ اور ہنسا۔ ”جیسے میں دیکھتا ہوں

تب کسی ہی۔“

”ہائیں۔“ جنید نے اسے شکوک بھری نگاہ سے

دیکھا۔ ”یہ طنز ہے یا سادگی۔ غالب مرحوم کہہ گئے ہیں

ننگی ویر کاری بے خودی و ہشیاری۔“

”یار اللہ کا واسطہ تمہیں۔“ جشید بول اٹھا۔ ”اگلا

مہربت پڑھو واللہ ان کے لیے۔“

”بھہ۔“

”ہو۔“

”تو اپنا! آپ انہیں بتائیں تاکہ آپ لڑکی نہیں عورت ہیں۔“ جنید نے اندر سے نکلتے ہوئے اسے مشورہ دیا اور ہر وقت ”ذکیلی“ ہوتی ہیں لحاظ وزن بلکہ دونوں کے ہمراہ ”چوکیلی۔“

”تو اپنا منہ بند کر۔“ دادی نے اسے جھڑکا۔
”تو جی۔“ سہیل میاں نے کیوں باپ کا کام بھی اپنے کندھوں پر لا دیا۔ ارے اس بڑھے کو مزید فراغت ملی تو اس کا ذہن تنگ کرنے کے نئے نئے طریقے تو نکال لے گا۔“

”سہیل کہاں کسی کی سنتے ہیں۔“ وہ تنک کر بولی۔
”وہ تو بس اپنے ابا میاں کی بین پر جھومتے ہیں۔“
”کوئی بات نہیں اپنا! زہر تو آپ ان کا کب کا نکال چکیں۔ اب تو وہ بے ضرر ہیں۔“ اب کی بار ایک درد پتھر اس کی کمر کا حال پوچھ ہی گیا۔

”نکاس بنے! اسپتال گر کر کھا کر اس گز بھر کی زبان کو بڑی بہن کے منہ کو آتا ہے۔ شرم کر۔“
”رہنے دس دادی! کنول نے مسکرا کر بھائی کو دیکھا۔ ”میں کوئی اس کی باتوں کا برامتی ہوں۔“

”ہاں تو تم دادی پر کتنی ہوا پی۔“ دادی جان کے چہرے پر پھول کھل اٹھے۔ ”میں نے تو خود بھی کسی کی بات کو برا نہ جانا۔ بس بیٹی! یہ اعمال تو ساتھ جائیں گے۔“

دادی جی خانے سے تاج بیگم کی معیت میں مسکراتا ہوا بالم برآمد ہوا تھا۔

”سلام بھائی جان! آپ کو بھی سلام آیا!“
اس نے کنول کے بعد غریب کو بھی سلام جھانڈا جو اسے دیکھ کر حیرت سے بت نہ بنی تھی۔
”یہ کون ہے؟“ نہایت استعجاب کے عالم میں اس نے پوچھا۔

”ہی ہی ہی۔“ بالم کو وہ عدد لڑکیوں کو اپنا معائنہ کرتے دیکھ کر گدگد رہی ہوئی۔
”لاحول ولائے۔“ دادی جان غضب ناک ہوئیں۔
”ارے تیری بیٹی نکال کر کسی دن ہاتھ پر دھروں گی۔“

وہ مہنوی آنسو پونچھنے لگا۔
”مجھے انہوں نے اکیلے کے گلاس میں شربت دیا۔“
وہ بھی آدھا گلاس پھر بولیں۔ جیشید کے لیے تو پچاسی نہیں خیر کوئی بات نہیں وہ کل پی لے گا۔“
وہ آنسو جیشید نے بھی پونچھے اور جنید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”میرے بھراوے! ای کے پاس ان کے جینز کے رکھے جانے کے گلاس بھی ہیں۔ جو کلمی نہ ہونے کی وجہ سے کالے پڑتے ہیں۔“ شکر کرو کہ ای نے محض اٹھیل کے گلاس پر ہی اکتفا کیا ورنہ وہ چاہتیں تو تمہیں بالم کی نظروں میں مزید لیں کر سکتی تھیں۔“
”یہ ساری خواری آپ کی غلامی ہے بھائی جان! اگر آپ سر پر سر بڑبڑا رہے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ ہم سے ایسا حسن سلوک کرتا۔“
”ہاں بچے! اب تم ہی وہ چار ٹینس وغیرہ پکڑو تاکہ ہماری لمبی گھر میں کچھ غرت ہو۔“

”سب کچھ کیا دھرا اس بانگے کے بچے کا ہے۔ اس کا کچھ علاج کرنا ہو گا۔“ اس نے بات اڑائی۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔ جیشید نے تدریس سے رہنمائی۔

”سلام چیک۔“ دونوں نے گھر میں خوشی خوشی داخل ہو کر مشترکہ سلام پیش کیا۔

”وہیکم السلام۔“ کنول اور اس کے بچوں کو دیکھ کر دادی جان خوش ہو گئیں۔ خوب کلمے لگا لگا کر انہوں نے کنول اور اس کے بچوں کو جوا۔

”میرے بھگوشوں کو کتنے دنوں بعد لائی ہو۔“ آنکھیں ہی ترس گئی تھیں میری۔“ انہوں نے کنول سے شکوہ کیا۔

”بس دادی! اس نے سرد آہ بھری۔“ ”کیا کروں“ میں بھی۔ سہیل نے جب سے اسٹیٹ ایجنسی کا کام سنبھالا ہے دن اپنا ہے نہ رات اپنی۔ اکیلی لڑکی ان کے ہاں گھر سے نہیں نکل سکتی۔ جب تک مرد کا ساتھ نہ

بہو کہو، کھڑا دانت نکوس رہا ہے کم بخت۔ چل
وگے۔ بیل سے۔
بالم نے وہیں سے منل جانے ہی میں عافیت جانی

نجانے کیوں کسی خوب کا دل دکھاتی ہیں۔ نجانے
کسی کے دل سے بددعا نکلے۔ "تاج بیگم کو ساس
برکت بخت نامو، گزری۔" کیا لیتا ہے بے چارہ
بے کم۔ جب سے آیا ہے، آپ کے منہ سے اس
پہلے کوئی اچھی بات نہیں سنی۔"

"تو میں کیا قصیدے پڑھوں اس کے، شاہ نامہ
میں اس کے واسطے ارے ہو! تمہیں تو ابھنے کا
یہ پاپ ہے۔ میں نے کیا کہا اسے۔ نوکر ذات ہے
اس کی جگہ بری رکھیں گے، ہاں۔"
داوی جان اطمینان سے پاں لگانے لگیں۔

"ہیم کانہ کاج کا، دشمن اتاج کاج۔" انہوں نے مزید
نواہ۔

"بچے، یہ بھی سنئے۔" تاج بیگم نے غصے سے ساس
کا صورت دیکھی۔ "صبح سے جو غریب کام کو لگتا ہے تو
بت گئے تک وہ کبیل والی مثل ہو جاتی ہے کہ میں تو
نیل چھوڑتا ہوں، کبیل مجھے نہیں چھوڑتا۔ اس
دب کی جان کو تو آدھی رات تک کام نہیں
چھوڑتے۔"

"اے ہاں، میں اپنے پاندان کی چوکیداری کرواتی
ہیں اس سے۔" داوی جان نے پھر شوشہ چھوڑا۔

"جائے وہ بتائے، برتن وہ دھوئے، باورچی خانہ وہ
دھو کرے، گھر کی صفائی وہ کرے، سودا سلف وہ لائے
بہر طرف سے بالم، بالم کی پکار الگ پڑتی رہے۔" تاج
بہو ناراضی سے بولیں۔

"تمہی نے اتنا سرچہ حایا ہے دنتو کو۔ میں تو منہ
میں نکالی۔ وہ کم بخت بھی میری آواز سن کر ایسا ہو جاتا
جیسے سہو۔"

"ہاں تو آپ کو اللہ واسطے کا بیرو جو ہے اس سے وہ
میں آفر انسان ہی ہے۔"

"اے بانگے۔ ارے او بانگے۔ سنتا ہے

مرو۔ ادھر آ۔"

داوی جان بہو سے الجھتا چھوڑ کر اسے آوازیں
لگانے لگیں۔

"جی داوی۔" وہ شرما تا ہوا اندر سے برآمد ہوا۔

اسے کنول اور غزل سے بڑی شرم محسوس ہو رہی
تھی۔

"داوی کے سگے، بیگم صاب بولتے ہیں بڑا ہے
تیری زبان میں۔ یہ لے۔" انہوں نے تکیے کے نیچے
سے روپیہ برآمد کر کے اس کی ہتھیلی پر دھرا۔

"جا کر کوئی چیز مول لے کر کھا۔ سوکھ کر کائٹا ہو رہا
ہے کم بخت۔"

"تاج بیگم کے لبوں پر مسکراہٹ آئی جسے چھپانے
کے لیے انہوں نے کچن نکاح کیا۔

"کس قدر قاتل رشک ہستی ہے جسے آپ کے
آستانے سے کچھ ملا۔" جنید نے بھروادی کو چھیڑا۔

"بانگے! یہ سکہ کبھی خرچ مت کرنا بلکہ اپنی کمائی
میں برکت کے خیال سے رکھ چھوڑنا۔ داوی کے سگے
پارس پتھر سے کم خوش نصیب نہیں ہوتے۔ داوی
جان کے تکیے کے نیچے سکوں کا یہ خزانہ ہو نہی تو جمع
نہیں ہوا۔ ہم بچپن سے یہ سگے چراچر کر تھک گئے۔
مجال ہے جوان میں جیسی کی آئی ہو۔"

"اچھا۔ تو یہ تو ہے۔" داوی جان نے اسے
خشک گیس نظروں سے گھورا۔ "میں سوچتی تھی شاید
تاج میرے پیسوں سے سودا منگا لیتی ہے۔"

"صرف میں نہیں داوی جان۔" وہ جذب سے
آنکھیں بند کر کے بولا۔ "اس گھر کا ہر فرد اس خزانے
کی برکت سے مستفید ہوا ہے۔"

"کم بخت۔" اسے ایک ہاتھ پڑا۔ "داوی سے
ماتلے شرم آتی ہے جو چوری کر کے کھاتا ہے۔"

چل اٹھ تمہا کر آسے کپڑے بدل!"

"ہی ہی ہی۔"

جنید کے گھورنے پر بالم نے ہنسی کو فوراً بریک لگالیا
تھا۔

بیت الخلاء کے لوٹے میں ڈال دی۔ ارے اس کو اللہ پوچھے۔

”آپ نے صرف لوٹا کہا تھا وادی۔“ وہ اپنی چونٹیں سہلاتے ہوئے شکایتی انداز میں بولا۔ ”مجھے کیا خبر آپ کا وضو کا لوٹا الگ ہے۔“

”اگر آ تو“ میں تیرا داغ درست کرتی ہوں۔“ انہوں نے چھڑی لہرائی۔

وہ سسم کر پھر قطب الدین صاحب کے پیچھے جا چھا۔

”کوئی بات نہیں امل! اس بے چارے سے غلطی ہوئی۔“ قطب الدین صاحب بیگم کی نظروں کا اشارہ سمجھ کر امل کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔

”ارے اس ہنس پٹے کی طرف داری مت کرو قطب الدین! مت کرو قطب الدین۔“ وہ بھڑکیں۔

”اس نے میرا اس وقت برا جی جلیا ہے۔“

”چلیں امل! اب جانے دیں۔“ تاج بیگم بھی آگے بڑھیں۔ ”میں آپ کی بیٹی برش سے دھو کر صاف کر دیتی ہوں۔“

”آئے ہائے ہو۔۔۔ سبحان اللہ! تمہارا کیا خیال ہے میں اب وہ دانت منہ میں ڈالوں گی اپنے؟ چہ ہزار کی نئی بیٹی بنوا کر دو مجھے تو جانوں۔“

”چہ کیا میں دس ہزار کی بھی بنتی ہو تو بنوا دوں گی۔“ وہ بے زاری سے بولیں۔ ”اب اس غریب کی جاں بخشی کر دیں۔“

”ارے اس موئے کو کوئی ہزار میں نہ لے تم اس پر دس ہزار لٹاؤ گی؟“ وادی جان سیکیں۔ ”میں سکتی ہوں ابھی نکال باہر کرو اسے۔“

”اللہ کے لیے امل! ایوں اس غریب کی جان کے درپے ہو گئی ہیں۔ کہا تو ہے میں نئی بیٹی بنوا دوں گی۔“ تاج بیگم رنج ہوئیں۔

”وضو کے لیے پانی رکھو میرا۔“ وہ ناراضی سے گویا ہوئیں۔ ”بخر قضا ہو چلی ہے۔“



”اچھا بھلا وادی جان نکال رہی تھیں اسے۔“

”ارے بالم کے بچے۔ کم بخت۔ مرود! ادھر تو آ۔ ارے میں تیری ٹانگیں توڑتی ہوں۔ ستاتی ہوں میں تجھے۔“

سوئے ہوئے بالم کے سر پر بجائے کیا مارا کیا تھا۔ وہ چلا تبو اٹھ بیٹھا۔

”ارے وادی۔ ہائے وادی! مر گیا۔“ اس نے بستر سے اتر کر دوڑ بھلی۔

تاج بیگم اور قطب الدین صاحب اپنے کمرے سے نکل کر دروازے پر آئے تھے۔ جشدر اور جنید بھی آنکھیں ملنے اپنے کمرے سے برآمد ہو چکے تھے۔

فجر کے وقت بالم پر بونے والی ٹانگہ کی کسے پس منظر سے سب ہی متواضع تھے۔ سحران پریشان کھڑے وادی کو چھڑی سنبھالے بالم کا پیچھا کرتے دیکھ رہے تھے۔

”چھوٹوں کی کیا میں تجھے؟ بھاگا جاتا ہے اس پیچھے رک تو سی۔“

”رک کر کیا قتل ہوتا ہے مجھے وادی!۔ ارے اب لوگ انہیں روکتے کیوں نہیں؟“ وہ بھاگتے بھاگتے قطب الدین صاحب کے پیچھے آچھا۔

”ارے بٹ قطب الدین۔ بٹ۔“ وادی جان دائیں بائیں سے ہو کر اسے چھڑی مارنے کی کوشش کرنے لگیں۔ پے درپے کئی چھڑیاں قطب الدین صاحب کو بڑیں۔

وہ بھلا گئے۔

”کیا ہے امل!۔ رکیں تو سی۔ بھلا ایسی بھی کیا قیامت آگئی۔ کیا کیا ہے اس غریب نے؟“

”ارے یہ غریب ہے۔“ وہ پھولی ہوئی سانپوں کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھ گئیں۔ ”ایمان کا دشمن۔“

”لیکن میں نے کیا کیا ہے وادی جان۔“ وہ یا۔ ”میرا قصور تو بتا دیں۔“

”ارے میں تو اس کم بخت، جاہل کو منہ نہیں لگاتی، رات سوتے وقت بنے کیا داغ میں شیطان نے ڈالا میرے۔ بیٹی نکال کر اسے دی کہ جا میرے وضو کے لوٹے میں ڈال دے۔ اس کم بخت نے میری بیٹی

”حسب وعدہ انہیں ان دونوں میں سے ایک کام کرنا تھا“
ہے نا؟“

جنید نے پھر ان کی دھمکتی رنگ کو چھیڑا۔
”ارے وہ غریب کہاں دس ہزار بھرتی میں نے ہی
کہا کہ رہنے دو۔ اہل کرپاک کرو۔ ارے تین دفعہ
کلمہ پڑھ کر پھونکا میں نے۔“

”ویسے دادی، جب آپ نے وضو کے لوٹنے میں
اپنے دانت نہ پائے تو کیا سمجھیں آپ؟“ جشید نے
نجانے کیا سوچ کر سوال کیا تھا۔ ”آپ کو کیسے علم ہوا کہ
دانت تو بیت الخلاء میں ہیں۔“

”وہاں سے ہنسی کی آواز جو آ رہی تھی۔“ جنید نے
نکڑا لگا۔

”کھنسی کھی کھی۔“ پھر دونوں کی ہنسی شروع ہو گئی۔
”کم بختو! بڑھے ہو گے تو ہوتا چلے گا۔ بڑھی
دادی کا مذاق نہ اتنے ہوتے ہو! دادی جان خفا ہو گئیں۔“

”دادی۔۔۔ پیاری دادی۔۔۔“
وہ دونوں ان سے لپٹ گئے۔ دادی جان بھی ہنسنے
لگیں۔



”اماں جی! بڑی خفا ہوں میں آپ سے۔ تہاڑے
ٹال بڑی شکیمت (شکایت) ہے سینوں۔۔۔ کچی! بہن تے
اسی گوانڈی (پڑوسی) آں۔۔۔ یہوی کہنا اک چکر نہیں
لایا ساڑے کھرا کیوں باجی جی؟“

انہوں نے بیچ میں ہی تاج بیگم کو مخاطب کیا۔
”بس بہن! گھر کے کام کل ہی ختم ہونے میں نہیں
آتے۔“ تاج بیگم پھسکی سی ہنسی ہنس دیں۔ انہیں
اپنی ساس سے برا خوف رہتا تھا کہ نجانے وہ کس وقت
کیا کہہ دیں۔

”دیکھو بھئی۔۔۔ اب یہ ”سی سی“ تو ہمیں آتے
نہیں۔ تم کچھ کسو، ہم کچھ سمجھیں۔ پھر بھلا کیا جواب
دیں تمہاری بات کا۔“

”اماں ان کی لائی ہوئی تھلی پر پڑا کپڑا سرکار دیکھنے
لگیں۔

نجانے اس نے امی پر کیا پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ کیوں
دادی؟“ جنید نے دادی جان کے پاندان سے چھالہ
نکالنے ہوئے بھڑکیا۔

اس کے ہاتھ پر ایک زوردار چپت پڑی۔ وہ ہنس کر
ہاتھ سہلانے لگا۔

”ارے تم دونوں لپٹنے کسی کام کے ہوتے تو میں کو
کیوں دو سروں کی صورت دیکھنی پڑتی؟ اسی ڈر سے وہ
بھی نہیں ہنسی اے کہ ذرا زور سے کام کے لیے بیٹھی
رہا کرے گی چہرہ نہیں تو اپنی تقریحوں سے فرصت
نہیں۔“

دادی نے اسے بھی جھار پلا دی۔

”ہمارا بھی تو اسکوپ مارا جا رہا ہے دادی۔۔۔“ جشید
نے زبان کھولی۔ ”وہ آہستہ آہستہ ہمارے حقوق پر بھی
قبضہ کر رہا ہے۔ ہماری ماں کو ہم سے بدظن کر رہا
ہے۔“

”ارے بڑا استاد ہے یہ چیتہ کرا۔“ دادی جان
سرگوشی میں گویا ہو گئیں۔ ”دن بھر بھلا کیوں باورچی
خانے میں گھسار رہا ہے اتنی مگرمی میں۔“

”کیوں دادی؟“ دونوں اپنے منہ ان کے قریب لے
آئے۔

”اوں ہوں، پیچھے ہو کم بختو۔ چائے کے بجکے
آتے ہیں۔“ انہوں نے دونوں کے چہرے پیچھے
دھکیلا۔ ”ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ دن بھر باورچی
خانے میں اس لیے گھسار رہتا ہے تاکہ برتن جمع نہ
ہو جائیں کہیں۔ ایک ساتھ نہ مانجھنے پڑ جائیں اس
کو۔“

ان دونوں کے چہرے پر بد مزگی کے آثار پیدا
ہوئے۔ وہ بالم کی کوئی خفیہ قسم کی بد عنوانی کے بارے
میں جاننے کے خواہش مند تھے۔

”ایک ایک کپ کھٹکل کر رکھتا رہتا ہے مولا۔
مہاں کا زیاں کرتا ہے۔ لیکن تاج نے تو آنکھیں بند کی
ہوئی ہیں۔“

”ویسے دادی۔۔۔ امی نے آپ کو حسب وعدہ نئے
دانت نہیں بنوا کر دیے نہ ہی بانٹے کو نکالا حالانکہ

اماں اپنا سفید غرامہ اور آسانی روپہ سنبھالتی اٹھ
کھڑی ہوئیں۔
تاج بیگم نے مدد کے لیے آماں کی جانب دیکھا تھا۔



”ارے ہانکے۔ ارے کشش دھو کر رکھ
دے۔“
”ہانکے۔ تاج سے بادام لے کر ہوائیاں بنا۔“
”ہانکے۔ روڑ کر جا۔ بازار سے پتے لے
آ۔ ارے بھلا میوہ جات کے بغیر بھی مینھا بنتا ہے
کیا۔؟“

دادی جہن بیسن بھونٹے بھونٹے ہانکے کو ہزار
ہدایات جاری کر چکی تھیں۔
تاج بیگم پریشان پریشان سی کچن میں آئیں۔
”اماں۔۔۔ میرا خیال ہے، بیسن اچھی طرح بھن گیا
ہے۔ شیرہ بتالوں۔“
”ارے تم اپنا خیال اپنے پاس رکھو۔ ہم نے تو
اتنے سالوں میں کبھی نہیں تمہارے ہاتھ کا بیٹا حلوہ
کھایا۔“ اماں مصروف انداز میں بولیں۔
تاج بیگم جلی کر کچن سے نکل گئیں۔
”ارے ہانکے، کہاں مر گیا مرہ۔“ ہانکے کی پھر
ڈھنڈھائی تھی۔

”ہی ہی ہی۔۔۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں برآمد
ہوا۔ ”کشش صاف کر رہا تھا۔“ ہاتھ سے ہی
صاف کرنا، کہیں تو منہ سے صاف کرنے لگے۔ اے
ہے مجھے تو لگتا ہے یہ بیسن جلنے لگا ہے دیکھ تو ہانکے۔
وہ منہ آگے کر کے سو گئے تھے۔

”ارے کم بخت کڑھائی میں گرے گا کیا۔ پیچھے
ہٹ۔“ اس کی پشت پر چیخ پڑا۔
”ہاں دادی۔ یہ تو جل رہا ہے۔ کالا ہو رہا ہے۔“
اس نے تعجباً ہی کی۔ ”چشمہ لاؤں دادی۔؟“

”ارے کمبخت دودھ لا فریج سے نکال کر۔ جلدی
کر۔“
بانکا روڑ روڑ لے آیا۔

”کیا بتلائی ہو نور بانو۔؟“
”بیسن بتایا ہے اماں جی۔“ وہ خوش دلی سے گویا
ہوئیں۔ ”ہن کڑیاں کسی دلیے بھی آسکدی آں
اماں دے واسطے بتاوالے۔“
”بیسن۔؟ حلوہ کھوٹا۔“ اماں نے مکئی اٹھا کر

حلوہ چکھا۔
”ہاں جی وہی۔ تسی۔۔۔ اے دسو کداں دا
اے؟“ (کیسا ہے)
وہ اشتیاق سے اماں کا چہرہ دیکھنے لگیں۔
”ہوں۔ ٹھیک ہی ہے۔“ اماں نے بے نیازی
سے کہا۔

”چلو جی۔“ وہ خوش ہوئیں۔ ”تسی تے پاس
کرو۔۔۔ ہن مینو کوئی فکر نہیں کڑیاں تے میری بڑی
سیدھی سادی آں۔ جیڑی دی شے بناواں اناں
نول پسند آجاندی اسے۔“
”ارے تو ہم کوئی تیزھے میڑھے ہیں کیا۔ ہم بھی
سیدھے سادے ہیں۔“
نور بانو کے جانے کے بعد دادی جان نے تھالی پرے
برکڑی۔

”ارے غضب خدا کا اتنا مینھا ڈالا ہے۔ ستیا ناس
کر دیا حلوہ کا۔“
”نہیں اماں! بہت مزے کا بنا ہوا ہے۔“ تاج بیگم
نے بھی ایک مکئی منہ میں ڈال کر کہا۔

”اے خاک مزے کا ہے۔ مزے کا حلوہ تم نے
کبھی کھایا ہو تو تمہیں پتا ہو۔ اچھا چلو ذرا مینن نکال کر
رکھو۔ میں خود بھونتی ہوں اگر۔“

”ہائیں!“ تاج بیگم نے تعجب سے ساس کی
صورت دیکھی۔ ”یہ آج آپ کو کیا سوچھی۔ اچھا بھلا
ڈھیر سارا حلوہ دو پجاری دے گئی ہیں۔ مزید کیا کرنا
ہے۔“

”نہیں بھی۔ میں اپنے بچوں کے لیے اپنے ہاتھ
سے بناؤں گی۔ تم تو غریبوں کو کچھ ”مقدومی“ بنا کر دیتی
نہیں ہو۔ چماروں جیسی صورتیں لیے پھرتے ہیں۔
چلو مینن نکال دو مجھے۔“

"جس! اس میں۔"

اس نے پورا برتن بھٹ کر کڑھائی میں اتر لیا۔

"اے مرند۔ یہ کیا کیو۔" "واہی جان اس اقلو پزیر کھو گئیں۔" "ارے بہت بہتہ ڈالنا تھا میں نے۔"

وہ جلدی جلدی چمچا دینے لگی۔

"ارے مات۔ یہاں تو۔ بسو۔ جلدی تیرے اے دوسار۔ میں گھنٹیں پر گھنٹیں۔"

تین تین میز اور میزوں پر بورچی خانے کے دروازے میں کھڑے رہیں۔

"چھا۔ ذرا سنبھلو۔ آئے بے کمر تختہ ہوئی میری۔ اب بھلا اس پر بھاپے مگر کیسے پکوان بنے ہیں۔"

"واہی جان بہو سے تھریں چرائی کچن سے نکل گئیں۔"

"بام۔ ار۔ او بٹے۔"

"نہی! واہی۔" وہ فٹ حاضر ہوا۔

"ارے ذرا۔ تو پلیٹ میں رکھ کر طبعاً ارے وہی جو دروازے کی ہے۔"

"جس نے پھر کیا تھا۔ میں نے نڈوں نڈوں چائلی مہو۔ سارے خندے کھڑے منہ دیکھتے روکے میں ایسے گاڑی بھلے گئے چمچ میں سے۔" "اس نے کچن بچائی۔"

"جی ہاں! " فریل نے اشتیاق سے آنکھیں پکڑ کر کہیں۔ "تو اتنی اچھی موٹر سائیکل چلا سکتے ہو؟"

"نہیں دیکھ کر گھبراہٹ ہے،" "نہیں تو سائیکل چالانی بھی نہیں آتی۔"

"کیوں آپ نے۔" "نہ تھا ہوا۔" "میں کیا صورت سے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں۔ تمہارے چہرے پر تو علم و حکمت کا نور برستا ہے۔" "جسید بھائی نے کب سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔"

"جی ہاں۔" "بانا جیو۔"

"ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم؟ فونڈوں نے تمہارا رستہ کا اور تم زوں نڈوں موٹر سائیکل نکل لے گئے۔"

"اور بھائی جان۔ وہ بھی دن ٹوٹا گیا۔ اس نے فریڈ تیا۔" "فریل ہونے۔"

"میں تمہیں تین پیروں والی سائیکل لاکر دوں گا۔ پھینکی جا کر کھانا کھائے۔"

"مجھے بھائی جان۔ آپ بھی نہیں۔" "اس نے سر ہٹا۔" "بڑے صاحب! تمہاری تو میں خود چلا کر دکھاؤں گا آپ کو۔ اور آپ جی! آپ کو کچن۔"

"بھئی کہہ لیا کہ۔ یہ آپ جی کیا ہے؟" "فریل چنکی۔"

"بھئی تو آپ کی ائی کو کھتا ہوں نہیں ہی۔"

"یہ ہی ہی ہمارے ان ورڈ کو مار (Inverted Commas) ہیں کیا؟ ہر بات کے شروع اور آخر میں یہ ہی ہی کے ساتھ لکھتے ہیں فٹ کرتے ہو؟" "فریل نے چکر پوچھا تھا۔"

"جی ہی ہی۔" "ہاں نہیں ہی ہی ہی۔"

"اور نہ۔" "دوہوں سے اٹھ گئی۔"

"بھائی جان! بھائی جان۔" "وہ پھوٹی، دوئی سانسوں کے ساتھ ہم کی مانند اس کے بستر پر آکر اٹھ جھید بیٹے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھا۔"

"ہائے اللہ کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا۔ کھل بھاگیں۔" "وہ گہری نیند سے اٹھا تھا۔"

"کیسے مت بھائی۔" "میدان میں اترنے کا وقت ہے۔ بھاگنے کی باتیں نہ کریں۔" "اس کا چہرہ خوشی سے گلزار تھا۔" "تو جس کا انتظار شاہ کار کیا۔"

"ہاں۔" "اچھا۔" "وہ اٹھوں کی طرح ٹولا۔"

"بھائی جان! وہ آئی ہیں۔" "ہاں! اٹلے آئی ہیں۔" "اپنے ذرا رنگ دم میں بیٹھی ہیں۔"

"جی۔ میرے بھائی! تم جگ کتے ہو؟" "جسید نے

زوں کی طرح اس کا چہرہ ٹولا۔

"وہ نہیں۔" "اس نے جھید کا ہاتھ پرے جھٹکا۔"

"پتا کر رہے ہیں آپ؟" "بوش کی دوا کریں۔"

"ہاں ہاں سمجھ گیا۔"

"جھید جلدی جلدی اٹھ کر چپقل پھینکے۔"

"آپ کھل چل دیے؟" "اکی جان نے کہا ہے کہ بازار سے ان حسناؤں کے دل پسند چکن روٹر لے کر آئیں۔ ساتھ میں ٹھنڈی ٹھار لے کر لیں۔"

"میں کیوں لاؤں؟" "وہ چن گیا۔" "تم جاؤ۔"

"میں نے" "نہ" "سے کہا ہے جسید بھائی جان کو کھانے بننے کی چیزیں خریدنے کا برا سلیقہ ہے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ چکن روٹر آپ سے ہی منگوائے جائیں۔ مگر اگر تم تازے تازے۔"

"اچھا بات ہے۔" "وہ سوچ میں پڑ گیا۔" "اچھا تو میں سنا ہوا تو کر لوں۔"

"ارے تو وہ کھائے بغیر کھل جانے والوں میں سے ہیں۔" "جسید نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔ آپ آکر اپنے چاہیں سلام کر لیجئے گا۔"

"لاؤں پیسے۔" "اس نے بھنا کر اس سے نوٹ پکڑا۔"

"تم بھی کھل ماننے والوں میں سے ہو۔"

جسید مسکراتا ہوا ذرا رنگ دم میں داخل ہوا۔

"آج بیگم نے اسے خشک لکڑی دی۔" "وہ نے دیکھا۔"

"تم یہیں ہو اب تک؟" "میں تو میرے کچن میں بیٹھا تھا۔"

"لڑکیوں نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔"

"کچن شرایا۔"

"بھائی جان مل گئے رستہ میں انہوں نے کہا۔ میں لے آتا ہوں۔" "وہ بھی انہیں پیسے خریدنے کا برا تجربہ ہے۔"

"آپ کو کس چیز کا تجربہ ہے؟" "ایک۔" "بھائی نے انہیں کر پوچھا۔"

"ہاں میں نے لا۔" "آج بیگم نے بل کر کہا۔"

”ہوں ہوں ہوں ہوں۔“ وہ مسکراتا رہا۔

جنید نے ماں کو دیکھا پھر نظریں اٹھائیں۔ حبشہ کوئی اوقات ماں کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ لڑکیاں بیٹھی بات بے بات کھلکھلائے جا رہی تھیں۔ غزل کو بھائیوں کی وجہ سے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

”حبشہ اور جنید۔“ تاج بیگم کا صبر بڑا آخر جواب دے ہی رہا۔ ”موتوںوں جا کر بانگے سے چائے بناؤ اور سب چیرس اپنی جگہ پر بیٹھیں۔“

”چائے کا کیا کرنا ہے ابی جی! بوتل منگوائی ہے نا۔“
”اچھا بیٹا جی! تو ذرا وہ بوتل ہی گلاسوں میں نکال لائیے۔ انھہ جیسے ذرا دونوں۔“ ان کے لہجے میں سختی تھی۔

ان دونوں کو باہر نکلنے ہی پڑی۔
”کیا ہے بھائی جان! ذرا سا کام نہیں کر سکتے آپ۔“
جنید جھٹایا ہوا تھا۔

”ہاں ہاں، تم ان سے جڑ کر بیٹھے رہو۔ میں بازار میں خوار ہوتا رہوں۔“ اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔
”تو چیرس کہاں ہیں؟“

”میں نے بھیجا ہے بالم کو۔“
”ہائیں وہ تو گھنہ لگا کر آئے گا۔ آپ جانتے ہیں نا“
وہ بازار جا کر غائب ہو جاتا ہے۔ ”جنید کو تشویش لاحق ہوئی۔

”نہیں وہ ابوی کی موٹر سائیکل لے کر گیا ہے۔“
وہ اطمینان سے بولا۔ ”جلدی آجائے گا۔“

”کیا؟“ جنید چلایا۔ ”آپ نے اسے موٹر سائیکل کی چابی دے دی۔ اس بے وقوف کو؟“
”ارے وہ بڑی اچھی چلاتا جانتا ہے۔“

”نفل۔ زان۔“ زنانے دار آواز پر دونوں نے مرکز دیکھا۔ بالم پوری رفتار سے موٹر سائیکل چلاتا گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا۔
”بھائی جان! پیچھے۔“

جنید نے اسے دھکا دیا۔

بالم ان کے پیچ میں سے گزر گیا۔

لاؤج میں سے دو آوازوں میں جھنجھٹا۔ جہاں اپنے تخت پر براجمان دادی پاندان سامنے رکھے پان لگانے میں مصروف تھیں۔

انہوں نے بالم کو موٹر سائیکل پر سوار تیزی سے اپنی جانب آتے دیکھا تو خوف سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

موٹر سائیکل تخت سے ٹکرا کر رکی تھی۔ دادی جان ہوا میں چند فٹ اچھلیں پھر دوبارہ تخت کی مہرمان بانہوں میں اگریں۔

دادی جان کا سکتہ کسی صورت ٹوٹنے میں نہ آتا تھا۔ آنکھیں دیکھی ہی پھٹی کی پھٹی تھیں۔ بالم کو سامان باندھنے کا نوٹس مل گیا تھا۔ آج تو تاج بیگم نے بھی اسے کھری کھری سنا زالی تھیں۔

وہ آنسو پونچھتے ہوئے اپنا ترک ٹھائے صحن میں چلایا جہاں سب دادی کے گرد جمع تھے۔

”اچھا صاحب جی!“ اس نے قطب الدین صاحب کو مخاطب کیا۔ ”چلتا ہوں۔“
”نفع دور ہو۔“ وہ بگڑے۔ ”میری ماں کو کچھ ہوا تو چھوڑوں گا نہیں تجھے۔“

”اچھا بھائی!“ وہ تاج بیگم سے مخاطب ہوا۔
”جاؤ جاؤ، چلتے بنو۔“ وہ ناراضی سے گویا ہوئیں۔

حبشہ نے اسے مکہ دکھایا۔ جنید نے آنکھیں نکالیں۔

وہ آنسو پونچھتا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔
”ہائے بالم۔“ غزل چلائی۔ ”جاری ہے ہو۔“

”اری نا تجارتا تو تو مت بلا اسے بالم۔“ دادی یک لخت ہوئی تھیں۔ سب کے سب زور سے ہنس دیے۔
دادی جان اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”ارے ادھر آہرود کہاں جا رہا ہے۔ بتاؤ، بن ماں باپ کا بچہ کہاں در در کھو کر گیا پھرے گا۔ چل جا کر برتن مانجھ۔“

سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔